کوکبِ سہارنپور

مفتی مجد القدوس خبیب رومی

افسوس ! کہ حضرت مولانا اطہر حسین المتخلص بہ کوکبؔ اجراڑوی ثم سہارنپوری شیخ الادب مظاہر علوم سہارنپور بتاریخ ۲۶؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۲؍جولائی ۲۰۰۷ء بوقت ۳؍بجے شب پنجشنبہ سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب مظاہر سے بظاہر وہ ''علم ادب'' رخصت ہو گیا، جس کا سلسلہ امام الادب حضرت مولانا فیض الحسن ادیبؔ سہارنپوریؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سہارنپوریؒ، حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ، حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ رامپوریؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ سے جاری تھا۔ اور اس دورِ قحط الرجال میں جب کہ کوئی بھی باکمال اپنے بعد اپنا ثانی اور جانشین چھوڑ کر نہیں جا رہا ہے، ہمارے حضرت مولانا اطہر حسین مظاہر علوم میں اس علم ادب کے آخری امین تھے جیسے آپ کے برادر اکبر فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نور اللہ مرقدہٗ مثالی تفقہ میں آخری ستون ہے۔

حضرت مولانا موصوف سابق مفتیٔ اعظم مظاہر علوم مولانا الحاج القاری المفتی سعید احمد اجراڑویؒ کے خلف اصغر تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۲۹؍شوال ۱۳۵۲ھ پنجشنبہ ۱۱؍بجے دن بمقام سہارنپور ہوئی، تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے ہوا، ۱۲؍برس کی عمر میں حفظ مکمل کر کے درسیات کی ابتداء کی، ابتدائی کتب اپنے والد محترم حضرت مفتی اعظم اور گاہے برادرِ اکبر مفتی مظفر حسین المظاہری اور مولانا امداد اللہ سہارنپوری وغیرہم سے پڑھیں۔

۱۳۶۹ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر باقاعدہ تعلیم شروع کی، مندرجہ ذیل کتب تجویز ہوئیں، شرح جامی، قطبی، کنز الدقائق، اصول الشاشی وغیرہ۔

تدریجاً چوتھے سال ۱۳۷۲ھ میں موقوف علیہ اور پانچویں سال ۱۳۷۳ھ میں دورۂ حدیث پڑھا۔ ۱۳۷۴ھ میں کتب فنون وافتاء کی تکمیل کی اور اپنے والد محترم کی زیر نگرانی فتویٰ نویسی کی مشق بھی کی، فراغت کے بعد ۱۳۷۶ھ میں شاخ مدرسہ مظاہر علوم میں معین مدرس اور ۱۳۷۷ھ میں مستقل استاذ عربی مقرر ہوئے، عرصہ دراز تک درجہ ابتدائی عربی اور درجہ وسطیٰ کے اسباق پڑھائے، اس کے بعد تجویز اسباق کی مجلس میں ہدایہ کا سبق یہ کہہ کر نہیں لیا کہ میں ہدایہ پڑھانے کا اہل نہیں ہوں، بعض اساتذہ نے کہا کہ آپ کے تو شاگرد بھی ہدایہ پڑھا رہے ہیں تو ہنس کر کہنے لگے: تاکہ ان کو بھی معلوم ہو جائے کہ ان کا استاذ بھی ہدایہ پڑھانے کی اہلیت نہیں رکھتا اس سے ان کو

اپنی اہلیت کا استحضار ہو جائیگا۔

در مختار جلد اول بھی پڑھائی مگر احتیاطاً غایة الاوطار سامنے رکھ کر پڑھاتے تھے، بطور مسک ختام تفسیر وحدیث بھی پڑھائی اور شمائل ترمذی کی ایک مبسوط شرح بھی عربی میں لکھی جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے، اِدھر ضعف کا غلبہ ہو گیا تو ابتدائی عربی کے اسباق پڑھانے لگے اور زندگی کے آخری دن تک پڑھایا۔ ذلک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء.

حضرت مفتی صاحبؒ کے آخر زمانہ سے اصلاحِ ترتیب فتاویٰ مظاہر علوم کی ذمہ داری بھی مولانا سے متعلق رہی چنانچہ مرتبین فتاویٰ مولانا موصوف کی خدمت میں فتاویٰ کی تسوید پیش کرتے اور مولانا ان کو ملاحظہ فرما کر جہاں مناسب سمجھتے اصلاح دیتے اور ان دونوں کو مفید مشوروں سے نوازتے، اس کے بعد فتاویٰ مظاہر علوم کی تبییض وتکمیل کی جاتی (بفضلہٖ تعالیٰ جلد اول طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے)۔

شوال ۱۳۷۵ھ سے جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ تک تقریباً ۵۳ سال کے طویل عرصہ میں بے شمار طالبانِ علم دین نے مولانا موصوف سے استفادہ واستفاضہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذہانت وفطانت سے نوازا تھا، کم سخنی کے باوجود حاضر جوابی وبذلہ سنجی سے بھی حصہ وافر ملا تھا، عربی ادب سے آپ کو فطری مناسبت اور خصوصی لگاؤ تھا، حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے نسبی نسبت نے فقہ وافتاء سے مناسبت کو میراث پدری بنادیا تھا، عربی ادب سے فطری مناسبت کے ثبوت میں آپ کے وہ عربی قصائد ومراثی پیش کئے جاسکتے ہیں جو آپ نے مختلف اوقات میں کہے ہیں۔ عربی کے علاوہ فارسی اور اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ اگر مجموعہ شائع کیا جائے تو غالباً پورا ایک دیوان تیار ہو سکتا ہے۔

فقہ وافتاء سے مناسبت کے ثبوت میں آپ کا مشہور حاشیہ عطر الورود لمن یطالع شرح عقود اور حاشیہ کنز الدقائق، حاشیہ شرح وقایہ اور فتح الکبیر شرح زاد الفقیر، حاشیہ نور الایضاح کے علاوہ حاشیہ منظومہ ابن وھبان، البیان المطرب فی انتخاب المغرب پیش کئے جاسکتے ہیں، ادب وفقہ کی اس مجموعی مناسبت نے آپ کو مظاہر علوم میں بجا طور پر ''شیخ الادب والفقہ'' کا موزوں ترین مصداق بنادیا تھا، تحریر ونگارش کا ذوق بھی پاکیزہ وشگفتہ تھا۔

مولانا موصوفؒ ''لا یخافون فی اللّٰہ لومة لائم'' کی جیتی جاگتی تفسیر وتصویر تھے، ایک عرصہ تک شانِ فاروقی آپ میں نمایاں تھی اور مولانا جوہر کا مشہور مصرعہ ع۔ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

موصوف کے حسب حال تھا۔

اہل علم ونظر کی نگاہ میں مولانا موصوف دراصل ایک محقق، مدرس، مناظر، شاعر اور اویسی نسبت کے بزرگ تھے۔ مولاناؒ کو اولی درجہ میں عقیدت حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے اور ثانوی درجہ میں حضرت مصلح الامت

مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب ؒ غریق بحر رحمت سے ہوئی، بیعت وارشاد کی اجازت مندرجہ ذیل حضرات سے حاصل ہوئی (۱) حاجی محمد احمد صاحب جعفری مہنگاوی (الہ آبادیؒ) (۲) مولانا محمود صاحب پٹھیڑوی مدظلہ (۳) برادر محترم مفتی مظفر حسین اجراڑوی ثم سہارنپوری (۴) مولانا عبداللطیف نلہیڑوی مدظلہ، اول الذکر ہر دو حضرات مجیزین حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے مجازین اور مؤخر الذکر ہر دو مجیزین حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رامپوری ثم سہارنپوریؒ سے مجاز تھے۔

احقر کے علم میں مولانا کا سب سے پہلا مضمون غالباً ''یہود خیبر کا ایلچی'' ہے جو اگرچہ مولوی نذر محمد صاحب لکھیم پوری مرحوم کے نام سے شائع ہوا تھا، مگر اس رسالہ کا تسمیہ، ترجمہ وترتیب وغیرہ میں مولانا کی شرکت تھی۔

کتب فقہ کی تدریس کے زمانہ میں:

(۱) فتح الکبیر شرح زاد الفقیر لکھی، اصل متن حنفیہ کے بیر سٹرایٹ آف لا علامہ ابن ہمام کا ہے یہ اسی کی ایک بہترین شرح ہے، یہ کتاب مولانا موصوف کو بہت محبوب تھی (مگر ابھی تک غیر مطبوعہ ہی ہے)۔

(۲) عطر الورود لمن یطالع شرح عقود، اصول افتاء میں شرح عقود رسم المفتی علامہ محمد امین ابن عابدین شامی کا یادگار رسالہ ہے جو نظم ونثر عربی میں اپنے موضوع پر جامع ومنفرد ہے اور افتاء کے نصاب میں داخل ہے، اس رسالہ میں جن مؤلفین ومؤلفات کا ذکر ہے مولانا موصوف نے ان سب کا مختصر وجامع تعارف عربی میں لکھا ہے جو ایجاز واختصار اور جامعیت کے اعتبار سے نہایت عمدہ ہے، اس حاشیہ پر حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ اور الشیخ عبدالمنعم النمر مصری کی قیمتی تقریظات ہیں، یہ حاشیہ مطبوعہ اور اہل افتاء کے درمیان متداول ہے، اس کی تعریف وتوصیف ہند وپاک کے دیوبندی وبریلوی دونوں طبقات کے اہل علم وافتاء نے کی ہے، اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے اس حاشیہ کو بعض ممتاز ومعروف معاصر اہل علم وافتاء نے اپنے سامنے رکھا اور اس سے اخذ وانتہاب بھی کیا مگر شاید مولانا کی گمنامی اور سادگی کی بناء پر ان کا حوالہ دینا کسر شان سمجھا ہے۔ جس کا اظہار مولانا مرحوم نے خود احقر سے کیا تھا، یہ محض ظن وتخمین نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ جن اصحاب علم نے ایسا کیا ہے حسن اتفاق سے ان سے بھی ٹھیک وہیں چوک ہوئی جہاں مولانا مرحوم سے ہوئی تھی یا پھر یہ عجیب وغریب حیرت انگیز توارد ہوا ہے۔ اب یہ حرکت اتنی عام ہو چکی ہے کہ کس سے کس کی شکایت کی جائے ؟

ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ہمراہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب کوٹی (تلمیذ رشید حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ) مدرسہ قدیم تشریف لائے، دونوں حضرات سے مولانا نے احقر کے ہمراہ ملاقات کی، حضرت مفتی صاحب نے مولانا کا تعارف کرایا، مولانا ریاست علی صاحب نے جیسے ہی مولانا

اطہر حسین کا نام سنا تو فرمایا کہ اچھا! آپ ہی نے رسم المفتی کا حاشیہ لکھا ہے؟ مولانا نے کہا کہ جی ہاں، کیا آپ نے میرا وہ حاشیہ ملاحظہ فرمایا ہے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں! بالاستیعاب دیکھا ہے، مولانا نے دریافت کیا کہ اس میں مجھ سے کوئی ہفوہ تو نہیں ہوا؟ (لكل عالم هفوة) مفتی محمود صاحب نے فرمایا کہ ہاں! مولانا تو رجال کے بڑے عمدہ محقق ہیں، مولانا کوٹی مسکرائے اور فرمایا کہ جی ہاں ایک جگہ ہوا ہے، مولانا نے پوچھا کہاں؟ انہوں نے فرمایا کہ "علامہ ابراہیم حلبی" کی تعیین میں ہوا ہے یہ دو ابراہیم ہیں ایک تو مشہور شارح منیۃ المصلی جو دسویں صدی ہجری میں گذرے ہیں، ۹۵۶ھ میں ان کی وفات ہے ان کی مشہور کتابیں متن ملتقی الابحر، غنية المستملی فی شرح منية المصلی، تلخيص قاموس، تلخيص فتاویٰ تاتار خانیہ، تلخيص الجواهر المضيئة فی طبقات الحنفية وغیرہ ہیں (مولانا اطہر حسین صاحب کو یہ مصنف اور ان کی یہ سب کتابیں بے حد پسند تھیں) اس کے بعد مولانا کوٹی نے فرمایا کہ دوسرے "علامہ ابراہیم حلبی" ان کا اصل نام ابراہیم ابن مصطفےٰ حلبی ثم رومی ہے، یہ اکابر علماء روم میں سے ہوئے ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے درمختار کو سبقاً سبقاً پڑھایا اور اس کا سب سے پہلے حاشیہ بھی لکھا ہے، یہ بارہویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں، ان کی وفات ۱۱۹۰ھ میں ہوئی ہے، مولانا نے کہا، جزاکم اللہ تعالیٰ یہ تحقیق کہاں ہے؟ مولانا کوٹی نے فرمایا اللآلی المكنونة میں ہے، ہمارے مولانا نے کہا کہ بھائی اس کو لکھ لو اور رسم المفتی کے حاشیہ میں تصحیح واصلاح کرا دینا چنانچہ اس کتاب کی دوبارہ طباعت کے وقت اس غلطی کی اصلاح کرادی گئی۔

(۳) حاشیہ شرح وقایہ (عربی) یہ حاشیہ اس زمانہ میں لکھا گیا جب مولانا موصوف سے شرح وقایہ کی تدریس متعلق ہوئی، اس میں لغوی، صرفی، نحوی، ترکیبی اور فقہی حل تو کیا گیا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جس زمانہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری مدظلہ ہماری جماعت کو شرح وقایہ پڑھاتے تھے، اس وقت دوران مطالعہ کوئی علمی واصطلاحی الجھن پیش آتی تو وہ حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ اور مولانا اطہر حسین ہی سے رجوع کرتے تھے۔

اسی طرح (۴) كنز الدقائق (۵) نور الایضاح پر بھی پڑھانے کے دوران عربی میں مفید اور مختصر درسی حواشی لکھے۔ جس زمانہ میں احقر زیر تعلیم تھا حضرت فقیہ زمن، مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے منظومه ابن وهبان (جو تقریباً ۳۰۔۳۵ کتب فقہ کے نادر مسائل کا مجموعہ ہے) پڑھانے کی درخواست کی فرمایا اب تو میں بوڑھا ہو گیا جوانی میں اس کے حل کرنیکا ارادہ کیا تھا مگر اب ہمت نہیں رہی، قویٰ جواب دے چکے تم اگر چاہو تو مفتی مظفر حسین صاحب سے پڑھ لو وہ ان شاء اللہ پڑھا سکتے ہیں چنانچہ احقر نے حضرت مفتی صاحب سے پوری بات عرض کردی، مفتی صاحب نے فرمایا کہ اگر مولوی اطہر اس کی عبارت (نظم) حل کر دیا کریں تو میں ان شاء اللہ اس کا انطباق کرادوں گا اور اس کے محامل ومظان بتلا دوں گا، وہ حل عبارت وغیرہ مجھ سے اچھے طور پر کر سکتے ہیں، میں نے مولانا سے عرض کیا تو کچھ تردد وتامل کے بعد الحمد للہ کہ خلاف توقع تیار ہو گئے اور روزانہ منظومہ کا لغوی صرفی نحوی ترکیبی حل

کر کے اس کی تسوید کسی کاپی میں نہیں بلکہ متفرق اوراق میں لکھ کر لے آتے اور اس کو تبادلۂ خیالات کے بعد حضرت مفتی صاحب کے سامنے پیش کر دیتے، مفتی صاحب کتابیں منگواتے اور مراد و مطلب دکھلا دیتے، اس طرح (۶) منظومہ ابن وھبان کے ایک حصے کا حل ہو گیا مگر اسی زمانہ میں مظاہر کا قضیہ نامرضیہ پیش آ گیا، نزغ الشیطن بینی وبین اخوتی جس کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

یہاں تاریخ مظاہر کا ایک ناقابل فراموش تاریخی واقعہ بھی سپرد قلم کر دیا جائے کہ حضرت مفتی صاحب نے راقم سطور اور مولانا اطہر حسین صاحب ؒ اور مولانا اسلام الحق اسعدی کو اس قضیہ نامرضیہ کی مکمل چشم دید رپورٹ مرتب کرنے کی ذمہ داری سپرد فرمائی تھی، وہ پوری رپورٹ چاروں کے باہمی رائے مشورہ کے بعد فل اسکیپ سائز کے تقریباً چالیس صفحات میں مکمل ہوئی تھی اور تاریخی مجلس شوریٰ منعقدہ ۴؍مارچ ۱۹۸۵ء مرکز دعوت و تبلیغ بستی نظام الدین دہلی میں حضرات سرپرستان کی خدمت میں پیش کر دی گئی تھی، اس رپورٹ میں ''نام نہاد مجلس شوریٰ سرپرستان'' کا پیشگی اور مسکت جواب دیا گیا ہے، بعد میں جب ''خود تراشیدہ واقعات اور نظائر'' بہی خواہان مظاہر علوم کے سامنے آئے، تو ہمدردان مظاہر نے حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا کہ حضرت! اگر وہ مکمل رپورٹ شائع کر دی جائے تو آئندہ مظاہر علوم کا مستقبل ماضی کے آئینہ میں بخوبی دیکھا اور سمجھا جا سکے گا، یہ مسئلہ محض آپ کی ذات کا نہیں بلکہ پورے مدرسہ اور ملت اسلامیہ ہند کے دینی موقف کا ہے؟ مگر حضرت مفتی صاحب کا مزاج دفاعی بھی نہیں تھا جبکہ ہمارے مولانا کا مزاج اقدامی تھا، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ''دنیا میں ہر ایک کی ہر بات کا جواب کہاں تک دیا جائے گا، ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ اصل فیصلہ تو آخرت میں احکم الحاکمین کی عدالت ہی میں ہوگا'' کچہری، لور کورٹ، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ وغیرہ میں بھی نہیں کیونکہ ؏ ہے عدالت سب سے بڑھ کر بس خدائے پاک کی

اس موقع پر مفتی صاحب نے فرمائش کی کہ مولوی اطہر! اس رپورٹ کیلئے کوئی مناسب شعر بھی کہہ دو چنانچہ مولانا نے یہ شعر لکھا۔

تلک قضایا لست أرضیٰ بذ کرھا ولکنھا تبدیٰ لاجل الضرورۃ

اتفاق سے اسی دوران حضرت والد صاحب مد ظلہم (وحید عصر مفتی عبدالقدوس صاحب رومی) تشریف لائے تو مولانا نے استصواب کیلئے اپنا یہ شعر دکھلایا، والد صاحب نے فرمایا کہ لاجل الضرورۃ کے بجائے وقلبی لأسفٍ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، مولانا نے یہ اصلاح قبول کی اور کہا کہ واقعی میں نے لاجل الضرورۃ کہہ کر صرف وزن ہی پورا کیا تھا آپ نے مضمون پورا فرما دیا۔

اس کے علاوہ (۷) نفحات الطبع علی المعلقات السبع (یہ سبعہ معلقہ کی درسی شرح عربی میں ہے، امید ہے کہ یہ جلد ہی طبع ہو جائے گی) (۸) بھجۃ الادب (یہ نفحۃ الیمن اور نفحۃ العرب کا نعم البدل ہے) (۹) الدر اللامع فیما یفید المجامع (اس میں مجامعت کے مجرب طبی اصول وآداب جمع کئے گئے ہیں)

(۱۰)نخبة البیان (یہ حیاۃ الحیوان کی تلخیص ہے نہایت معلومات افزا کتاب ہے)(۱۱)(حقیبة الاسرار وجھینة الاخبار (یہ دراصل دو ڈائریاں ہیں) جو معلومات کا کشکول اور درحقیقت ''بیاضِ اطہری'' کا صحیح مصداق ہیں)(۱۲)عقد النجوم فی جید دار العلوم (یہ عربی قصیدہ جشن صد سالہ دارالعلوم دیوبند کے موقع پر شائع ہو چکا ہے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اس قصیدہ کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ماشاء اللہ بالکل قدیم شعراء عرب کا سا انداز ہے)(۱۳)نفحة الازاھر فی مدحة المظاھر (یہ عربی قصیدہ نفح المشموم فی مدح مظاھر علوم کے نام سے شائع ہو گیا ہے، اس کے حاشیہ میں خاصی حد تک واقعی تاریخ مظاہر کا خلاصہ اور لب لباب نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ آ گیا ہے)۔(۱۴)فضائل مسواک (اردو) موضوع کتاب کے نام سے ظاہر ہے(۱۵)حریری اور مقامات اصل کتاب ''الحریری ومقاماته'' ڈاکٹر محمد احمد صدر شعبہ عربی الہ آباد یونیورسٹی کی ڈاکٹریٹ کی تھیسس ہے جو موصوف نے سراج المحققین حضرت مولانا محمد سراج الحق مچھلی شہریؒ کی امداد واعانت سے ۱۹۵۳ء میں لکھی تھی یہ اسی کا مطلب خیز ترجمہ ہے، مولانا موصوفؒ نے اس کتاب کا مقدمہ عربی زبان کی خصوصیات پر مشتمل نہایت عمدہ مفصل ومبسوط لکھا ہے یہاں اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے بے ساختہ ایک لطیفہ یاد آ گیا جو بارہا مولانا مرحوم سے سنا تھا کہ جب یہ کتاب ''الحریری ومقاماته'' آئی تو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ نے دیکھ کر پسند فرمایا اور حضرت شیخ کو بھی دکھلایا، حضرت شیخ نے بھی پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ مولوی اطہر! تم اگر اس کا ترجمہ کر دو تو تم کو مقامات حریری پڑھانے کیلئے دی جا سکتی ہے (یعنی اس سے مقامات پڑھانے کی اہلیت وصلاحیت معلوم ہو جائیگی) مولانا نے بے تکلف عرض کیا کہ حضرت! کیا آپ سے بھی بخاری شریف پڑھانے سے پہلے بخاری کا ترجمہ کرنے کیلئے کہا گیا تھا؟)(۱۶)شجرۂ طوبیٰ (مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک ہندوپاک کے اساتذۂ حدیث کا علمی نسب نامہ کلینڈر کی شکل میں مطبوعہ ہے)(۱۷)شجرۂ سعادت (بانی مظاہر علوم حضرت مولانا سعادت علیؒ فقیہ سہارنپور کے صد سالہ، ہزار ہا فیض یافتگان کو سلسلہ وار لکھا گیا ہے یہ دریا بکوزہ کا مصداق اور ''تاریخ مظاہر'' کا پہلا مطبوعہ استدراک ہے، جو مولانا موصوف نے بڑی تحقیق وکاوش اور نہایت عرق ریزی اور محنت سے لکھا تھا)(۱۹) کتابچہ شجرۂ سعادت (اس میں شجرۂ سعادت کی اشاعت پر ملک کے مشہور ومعروف اور ممتاز اہل علم وفضل کے تائیدی وتنقیدی مکاتیب اور ان کے جوابات ہیں، اس کے بعد مولانا اپنے استاذ خصوصی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ کی خواہش وفرمائش کے مطابق ''خصوصیات مظاہر علوم'' لکھنا چاہتے تھے جن کی بدولت اس کا انتظام اور اس کی تعلیم وتربیت دوسرے مدارس سے ممتاز تھی مگر مولانا کو اس کا موقع نہ مل سکا وہ احقر سے اس کا برابر ذکر کیا کرتے تھے چنانچہ احقر نے ''اصلی مظاہر علوم کے بنیادی مقاصد'' اسی ''قصد جمیل'' کی تکمیل کیلئے اکابر مظاہر کے رہنما خطوط کی روشنی میں جمع ومرتب کر دئے ہیں، اس کتاب میں صفحہ ۱۱ پر ''مدرسہ کا نصب العین'' مولانا ہی کا عطیہ ہے)

(۲۰) فضائل اعمال یا بخشش کے وعدے (مطبوعہ ہے اور موضوع نام سے ظاہر ہے) (۲۱) فضائل محمد واحمد (یہ رسالہ علامہ ابوعبداللہ حسین بن محمد کے عربی رسالہ کا اردو ترجمہ ہے) (۲۲) گنج بے رنج شرح پنج گنج (موضوع نام سے ظاہر ہے) (۲۳) نورانی جھیز (جو اپنی صاحبزادی سلمہا کی شادی کے موقع پر لکھا تھا) (۲۴) بزم اطہر (اس میں مولانا کے مجلسی افادات کی پہلی قسط جمع کی گئی ہے) (۲۵) ملفوظات یعقوبی، یہ ملفوظات حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانویؒ کی روایت سے ان کے استاذ خصوصی حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے ارشادات کا انتخاب ہے جو مولانا موصوف نے بہت عرصہ قبل شروع کیا تھا مگر اس کی جمع وترتیب اور طباعت واشاعت سے قبل ہی صوفی محمد اقبال صاحب ہارون آبادی (خلیفہ ومجاز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ) نے مرتب کر کے شائع کر دیا ہے اس کو دیکھ کر مولانا ہنسے اور کہنے لگے کہ میں جو کام شروع کرتا ہوں اس کی تکمیل مجھ سے پہلے کوئی دوسرا کر دیتا ہے پھر ہنس کر کہا کہ بس ایک کام ایسا ہے جو میں نے شروع کیا اس کو دوسرا کوئی شاید ہاتھ نہیں لگا تا وہ کام ہے ''اصلاح مشیخت حاضرہ'' چنانچہ ایک مرتبہ مولانا کے رفیق درس مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی (مفتی دار العلوم دیوبند) تشریف لائے اور مولانا سے ملاقات کی، خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد مشاغل دریافت کئے تو فرمایا بیکاری، انہوں نے کہا کہ نہیں آپ تو ماشاء اللہ بہت کار آمد آدمی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو پڑھنے کے زمانہ سے بڑی صلاحیت عطا فرمائی ہے، کہنے لگے کہ بس پڑھنا پڑھانا ایسے ماحول میں کہاں؟ اب تو میرا ایک ہی کام ہے اور وہ ہے اصلاح مشائخ حاضرہ۔ وہ یہ جواب سن کر ہنسنے لگے اور کہا کہ یہ تو بڑا خطرناک کام ہے۔

سب سے پہلی مرتبہ احقر نے اب سے تقریباً ۲۳ رسال قبل مولانا ہی کے ایماء پر ان کی ایک عربی اردو منظوم مناجات (مناجاة على أعتاب قاضي الحاجات) شائع کی تھی اور اس کے آخر میں مولانا کے مختصر حالات زندگی اور ان کی جملہ تصنیفات وتالیفات اور تعلیقات کی فہرست طبع کرائی تھی، اتفاق سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ احقر کے غریب خانہ آگرہ تشریف لائے وہ مناجات حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کی، فہرست بغور ملاحظہ فرما کر احقر سے حیرت کے ساتھ فرمایا کہ ابھی دنیا میں ایسے باکمال موجود ہیں؟ یہ وہاں کیا پڑھاتے ہیں؟ احقر نے متذکرہ بالا کتابیں ذکر کر دیں دریافت فرمایا ان کو کتنا مشاہرہ ملتا ہے؟ یہ کہیں اور بھی جا سکتے ہیں؟ احقر نے حضرت مولانا کا مقصد سمجھتے ہوئے جواب عرض کیا کہ وہ روپئے بھی ٹھیک سے پہچانتے نہیں ہیں، بظاہر مظاہر سے ان کا کہیں اور جانا مشکل ہی ہے۔ مولانا نے نہایت معترفانہ انداز میں فرمایا اچھا! پھر تو قابل زیارت آدمی ہیں۔

تفسیر وحدیث پڑھانے اور فتویٰ دینے سے حتی الامکان بچتے تھے کہ کہیں افتراء علی اللہ اور دین کی تحریف وتغییر کا ارتکاب نہ ہو جائے، اکابر اہل علم کا مقولہ نقل فرمایا کرتے کہ جب سے لوگوں نے لا أدری کہنا چھوڑ دیا (اور از خود بغیر علم وفہم کے جو جی چاہا جواب دے دیا) اس وقت سے علم اٹھالیا گیا، مولانا وقتاً فوقتاً بعض اہم

مسائل کے جواب یا بعض اہم فتاویٰ کی تصدیق تو کر دیتے تھے مگر عامۃً معمول فتویٰ نویسی کا نہیں رکھتے تھے، رجسٹر نقل فتاویٰ میں مولانا کے بعض جوابات اور بعض فتاویٰ پر تصدیقات محفوظ ہیں، چنانچہ مسئلہ امارت وقضا سے متعلق میرے والد صاحب مدظلہٗ کے ایک اہم فتوے پر مولانا کی نہایت جچی تلی وقیع تصدیق وتوثیق مرقوم ہے جو احقر کے رسالہ "ہندوستان میں امارت وقضاء" کی زینت ہے۔

مولانا کو جتنی مناسبت فقہ سے تھی اتنی مناسبت افتاء (فتویٰ نویسی اور بیان حکم شرعی) سے نہیں تھی، اس میں

دو چیزوں کو خاص دخل تھا، ایک تو مولانا کی حد سے زائد محتاط اور احتمال آفریں طبیعت، دوسرے مولانا کو جیسے متفقہ، محقق، عمیق النظر اور ضروریات زمانہ پر نظر رکھنے والے اہل علم و افتاء کی صحبت و معیت اور رفاقت کی ضرورت تھی وہ ان کے لئے نایاب ہو چکی تھی، کہا کرتے کہ اگر والد صاحب کی صحبت اور مل جاتی تو افتاء کی تکمیل ہو جاتی، اگر مفتی جمیل احمد تھانویؒ یہاں رہتے تو ادب کی کسر پوری ہو جاتی اور بڑی حسرت سے کہتے کہ حضرت تھانویؒ یا ان کے بعد شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے بیعت و اصلاح کا تعلق قائم ہو جاتا تو میرا سلوک طے ہو جاتا، کبھی کبھی یہ بھی کہتے کہ میرے ساتھ عجیب وغریب صورت رہی جو مجھے ملے تھے ان سے مناسبت نہیں ہوئی اور جن سے مناسبت محسوس ہوئی وہ یہاں نہیں تھے۔ حضرت مسیح الامت کے بارے میں کہتے کہ حضرت جلال آبادیؒ سے طبیعت کو ابانہیں ہے اور وہاں احقر کے ہمراہ حاضر بھی ہوئے، حضرت والا نے چند نصیحتیں فرمائیں اور دعائیں بھی دیں۔

کہا کرتے تھے کہ ہمارے والد صاحب، حافظ محمد حسین اجراڑویؒ (مرید حضرت گنگوہیؒ) کے شاگرد تھے اپنے بچپن میں اولاً حافظ صاحبؒ کو دیکھا، ان کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کو دیکھا تھا، وہ تو حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولویؒ نے ہمیں حضرت تھانویؒ کی کتابوں اور حضرت شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ کی تعلیمات سے روشناس کرایا، حضرت کا سب سے پہلا رسالہ ''الاصول النادرۃ لاصلاح الامۃ الحاضرۃ'' پڑھا تھا (جس سے تالیفات مصلح الامت کا آغاز ہوتا ہے یہ رسالہ مولانا کسولویؒ ہی نے سب سے پہلے ۱۳۷۰ھ میں کتب خانہ امداد الغرباء محلّہ مفتی سہارنپور سے شائع کیا تھا۔)

کہا کرتے تھے کہ عربی تو میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں سیکھ لی تھی البتہ فارسی فراغت کے بعد زمانہ تدریس میں پڑھی تھی، مولانا امداد اللہ صاحب سہارنپوری مدظلہ سے بھی ابتدائی درجات میں بعض درسی کتابیں پڑھیں اور مولانا انعام الرحمٰن صاحب تھانوی مدظلہ سے گلستان سعدی اور مولانا محمد ظفر صاحب نیرانویؒ سے مثنوی مولانا روم پڑھی تھیں، ہنس کر کہا کرتے کہ اردو تو مجھ کو بحیثیت زبان کے اب تک نہیں آتی، اس پر ایک لطیفہ بھی سنئے۔ ایک روز مولانا محمد اللہ صاحب مرحوم نے مفتی مظفر حسین صاحبؒ سے اپنے خاص انداز سے کہا کہ اب تو ہمارے ان مدارس سے بھی اردو زبان بالکل خارج ہی ہوگئی، مولانا اطہر حسین صاحبؒ نے بروقت لقمہ دیا کہ اور داخل کب ہوئی تھی؟ یہ سن کر محفل زعفران زار ہوگئی۔

ایک روز دفتر میں مولوی عبدالرزاق آسامی مرحوم کسی طالب علم کو خارج میں انگریزی پڑھا رہے تھے انہوں نے کسی انگریزی جملہ کا یہ ترجمہ کیا کہ ''جب سانپیرا نے اپنا پٹاری کھولا تو سانپ نے اپنا سونڈ نکالا'' مولانا اطہر صاحب کے پاس احقر بھی صحن دفتر میں بیٹھا ہوا تھا مولانا نے یہ ترجمہ سن کر قہقہہ لگایا اور جا کر مولوی صاحب موصوف سے پوچھا کہ بھائی! مداری کی پٹاری میں سانپ بند تھا یا ہاتھی؟ پھر ان کو بتلایا کہ سانپ کے سونڈ نہیں پھن ہوتا ہے۔

ایک روز احقر سے کہا کہ ہمارے ان مدارس میں بھی پڑھانے والا اگر کوئی غیر اردو داں ہوتا ہے اور وہ عربی کے صرف ونحو، فارسی زبان میں پڑھاتا ہے مگر ترجمہ، مطلب اور تشریح اپنی مادری زبان میں کرتا ہے تو سبق کی عجیب وغریب صورت ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد مولانا احقر سے کہنے لگے کہ میں نے تقریباً ستائیس سال لغت صرف ونحو وغیرہ پڑھائی مگر اب اپنے بچہ کی تعلیم کیلئے فکر مند ہوں کہ اس کو کس طرح پڑھایا جائے، احقر نے بے تکلف اپنے اوپر کیا ہوا تجربہ عرض کر دیا کہ مجھے تو میرے والد صاحب، چچا جان اور استاذی مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ نے اولاً صرف ونحو کی کتابیں مجھے میری مادری زبان اردو میں پڑھائی تھیں وہ مجھے بہت مفید اور عربی سے جلد مانوس کرنے والی محسوس ہوئیں، فوراً کہا کہ مجھے بھی دکھلانا! چنانچہ احقر نے ''تمرین الصرف'' ''تمرین النحو'' اور ''عربی کے دس سبق'' مولانا کو دکھلائیں، دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور غالباً دوسرے ہی دن اپنے فرزند ارجمند کو ان ہی کتابوں سے ابتدا کرادی اور مجھ سے فرمایا کہ یہ کتابیں مجھے بہت عمدہ اور مفید معلوم ہوئیں ''خذ ما صفا ودع ما كدر'' یہ بھی فرمایا کہ جدید ادب پڑھنے والوں کا ذہن ودماغ عموماً اخبار ورسائل پڑھنے اور لکھنے میں لگ جاتا ہے جب کہ قدیم عربی وادب پڑھنے والے کا ذہن وفکر قرآن وحدیث کے علوم ومعارف کی تلاش میں چلتا ہے جیسا کہ مقامات حریری پر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے حاشیہ لکھا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہر ادارہ کا فکر کسی مفکر کے فکر وعمل کے ماتحت اور تابع ہوا کرتا ہے، جس طرح دار العلوم دیوبند، قاسمی الفکر اور مظاہر علوم، رشیدی الفکر ہے اسی طرح ندوۃ العلماء، شبلی الفکر ہے۔

اسی طرح مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی کی ابتدائی عربی کی کتابوں (القراءۃ الواضحہ وغیرہ) کے بارے میں کہا کرتے کہ ان میں مغربی طرز کے کھیل کود کی باتیں درس اور تمرین میں کی گئی ہیں، جن سے طلباء کی طبیعت پر بھی وہ ہی اثرات مرتب ہوں گے اور یہ صورت طلباء علم دین کی تربیت کے منافی ہے۔

مولانا کے یہاں علم وتحقیق، درس وتدریس کے ساتھ ساتھ طہارت، وضو کا اہتمام، ذکر وفکر کا التزام، عبادت وتلاوت ودعا اور صف اول میں تکبیر اولیٰ سے نماز باجماعت کی پابندی تھی، وہ اٹھتے، بیٹھتے موت کی یاد اكثروا ذكر هاذم اللذات يعنى الموت کا پُر تاثیر نعرہ لگاتے، اکثر وبیشتر الحمد لله الذى هدانا لهذا وما كنا لنهتدى لو لا ان هدانا الله کا وِرد رکھتے۔

اور بعض عربی، فارسی، اردو کے عارفانہ اشعار بھی زباں زد رہتے تھے مثلاً۔

يظن الناس بى خيراً وانى	لشر الناس ان لم يعف عنى

****

شر الورى بمساوى الناس مشتغل	مثل الذباب يراعى موضع العلل

ایک روز امتحان گاہ میں مولانا کا ساتھ ہوگیا تو مجھے یہ شعر سنایا ۔

اعمل بقولی وان قصرت فی عملی ینفعك قولی ولا یضررك تقصیری

تھوڑی دیر کے بعد احقر نے منظوم ترجمہ عرض کیا

عمل کر میرے کہنے پر اگرچہ کم عمل ہوں میں
نفع ہوگا تجھے اس سے، عمل سے میرے کیا مطلب؟

سن کر محظوظ ہوئے، کچھ دیر گنگناتے رہے اور فرمایا اچھا ترجمہ کیا، اصل شعر کی بالکل ترجمانی کر دی۔ اگر کوئی تعریف کرتا تو کہتے "من آنم کہ من دانم"

کبھی نہایت پرسوز اور دل دوز لہجہ میں فارسی کا یہ شعر اپنے نفس کو مخاطب کر کے پڑھا کرتے ۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش آزمورا یک زمانے خاکباش
در بہارا کے شود سرسبز سنگ خاک شو، تا گل بروید رنگ رنگ

ایک مرتبہ احقر نے حضرت مولانا پرتاب گڑھی کا یہ شعر سنایا۔

شکر ہے درد دل مستقل ہوگیا
اب تو شاید مرا دل بھی دل ہوگیا

تو مولانا نے بھی برجستہ اپنا یہ شعر سنایا

حق تعالیٰ شانہ، کا شکر ہے
میرے دل میں حب رب کا سکر ہے

ایک دفعہ مجھے یہ شعر سنایا۔

اچھا ہوا کہ آپ نے مجھ کو بھلا دیا
وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں

احقر نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کو بھولنے اور بھلانے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں، اور نہ میرے لئے آپ بھلا دینے کی چیز ہیں، آپ کے ساتھ طویل تعلقات نے تو آپ کو خوب پختہ یاد کرا دیا ہے، کسے معلوم تھا کہ وہ اتنی جلدی اور ایسے اچانک رخصت ہو جائیں گے۔

نہ جانے کیا اچانک موج آئی اس کی رحمت کو
اٹھا کر لے گئی آغوش میں جبریل طلعت کو

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موت آکر سامنے سے لے گئی بیمار کو
چارہ گر دیکھا کئے اور نوحہ گر رویا کئے

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مولانا علی میاںؒ کے وہ جملے جو اوپر نقل کئے گئے ہیں ان ہی کو وہ اپنی سند سے تعبیر کرتے تھے جس کا راوی صرف احقر راقم سطور ہی ہے۔اب یہاں ان کی سب سے اہم سند نقل کی جاتی ہے جس کا ان کو اشتیاق وانتظار تھا کہتے تھے کہ اسے لکھ دو،نفح المشموم میں تمہارے حوالہ سے ہی لکھوں گا۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ ''مظاہر علوم میں شعروادب کی کیفیت کا آدمی ہر زمانہ میں رہا ہے، پہلے دور میں حضرت مولانا فیض الحسن ادیب سہارنپوریؒ تھے ان کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سہارنپوریؒ (ابن حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ وسابق صدرالمدرسین مظاہر علوم) ان کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ اور ان کے بعد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ رامپوری رہے اور ان ہی کے زمانہ میں، میں بھی تھا اور اب وہاں مولوی اطہر ہیں، میں نے ان کا تخلص کب تجویز کیا تھا''۔

مولانا موصوف کے ساتھ تقریباً ۲۹-۳۰ سال میں تعلقات کی نوعیتیں مختلف رہیں، ظاہر ہے کہ اس مضمون میں اس کی پوری تفصیل لکھنے کی گنجائش نہیں، مولانا کی عجیب وغریب سادگی میں بے تکلف ادائیں تھیں۔

استاذ محترم سابق شیخ الادب مولانا محمد اللہ صاحب مرحوم مولانا موصوف کے مزاج وانداز کے متعلق بہت ہی برمحل یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

بھر دیں عجب ادائیں اس شوخ سیم تن میں
اک ٹیڑھ سادگی میں، اک سیدھ بانکپن میں

ایک دن فرمایا کہ میں نے بھائی کے لئے لقب ''فقیہ الاسلام'' تجویز کیا ہے اور اپنے لئے ''فقیر الاسلام''۔

ایک مرتبہ اپنے ایک خادم سے کہا کہ میں نے تمہارے لئے جو شعر کہا ہے وہ مفتی صاحب کو بھی سناؤ چنانچہ انہوں نے مولانا کی فرمائش پر تعمیل ارشاد کی ؎

بحق حضرت مولانا اطہر
''الٰہی عاقبت محمود گرداں''

اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے، بلا شبہ ان کی زندگی میں بڑا سبق ہے، واقعہ یہ ہے کہ مولانا موصوف ایک مستقل کتاب کا موضوع ہیں میرے نزدیک محض ان کے فقہ وفتاویٰ پر ہی نہیں ان کے ادب وشاعری پر بھی ان کی تعلیم وتربیت اور اصلاح ودارو گیر پر بھی تصنیفات وتالیفات پر بھی ان کے لطائف وظرائف اور مختلف مکاتب فکر کے بانیوں کے متعلق ان کی مخصوص ومنفرد آراء سے متعلق بھی تحقیق وتفتیش اور تنقیح کے ساتھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ محض ان چند سطروں سے ان کا کچھ بھی حق ادا نہیں ہوسکتا۔

ع۔کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں ان کی